© rasailojaraid.com

مولانا حکیم محمود احمد ظفر (پہلی قسط)

سید عطاء المحسن بخاریؒ سے میرے تعلقات

حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری قدس سرہ سے احقر کے تعلقات ۱۹۶۷ء سے ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں احقر نے اپنی کتاب ''سیدنا معاویہؓ شخصیت و کردار'' میں طبع کرائی۔ کسی طریقہ سے یہ کتاب حضرت مولانا سید عطاء المنعم بخاری قدس سرہ نے بھی حاصل کر کے پڑھی۔ وہ اس سے بہت متاثر ہوئے۔ میری کتاب دراصل مولانا مودودی کی کتاب ''خلافت و ملوکیت'' کے جواب میں تھی۔ اس کتاب کا مضمون پہلے ۱۹۶۵ء میں مودودی صاحب کے رسالہ ''ترجمان القرآن'' میں قسط وار ''خلافت سے ملوکیت تک'' کے عنوان سے چھپا جس کا جواب شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ نے ''براۃ عثمانؓ'' کے عنوان سے دیا۔ اس مضمون میں انہوں نے ان تمام الزامات کی تردید کی جو مولانا مودودی نے اس خلیفہ راشد کی ذات پر لگائے۔ حضرت مولانا سید عطاء المنعم بخاری نور اللہ مرقدہ نے اس مضمون کو ''براۃ عثمانؓ'' کے عنوان سے کتابی شکل میں طبع کروا دیا۔ اس مضمون میں مولانا مودودی کے صحابہ کرامؓ کے خلاف اس زہریلے پراپیگنڈے کو ختم کیا جو انہوں نے اپنے مضمون میں سیدنا عثمانؓ کی ذات گرامی کے خلاف کیا تھا۔ مولانا مودودی نے سیدنا معاویہؓ اور دوسرے کئی صحابہ کرامؓ کو ہدف تنقید بنایا اور ان کی یہ تنقید تنقیص کا پہلو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھی۔ مولانا مودودی اپنے اس مضمون میں ان لوگوں کے ایمان اور اسلام میں کیڑے نکالنا شروع کیے تھے جنہوں نے ساری دنیا کو اسلام و ایمان کی دولت عطا کی تھی۔ گویا کہ اس مضمون میں انہوں نے یہ ثابت کیا کہ

اہل گلشن کے لیے بھی باب گلشن بند ہے
اس قدر کم ظرف کوئی باغباں دیکھا نہیں

ان صحابہ کرامؓ میں سے جن کو مودودی صاحب نے اپنی تنقید کا ہدف بنایا، ایک سیدنا معاویہؓ بھی تھے، جن پر میں نے تحقیقی کام کیا اور ایک ضخیم کتاب مرتب کی جس میں ان کی سیرت اور مودودی صاحب کے اعتراضات کے جوابات کتاب و سنت اور تاریخ کی روشنی میں دیے۔ حضرت مولانا سید عطاء المنعم رحمہ اللہ نے میری اس کتاب کو پڑھا اور اس کتاب کی تحسین و ستائش میں ایک خط احقر کو لکھا اور ساتھ ہی ''یومِ معاویہؓ'' پر ملتان آنے کی دعوت دی۔ میں عوامی جلسوں میں تقریر کرنے کا عادی نہیں تھا اور اب بھی نہیں ہوں، اس لیے میں نے معذرت کر دی۔ کچھ روز بعد حضرت شاہ صاحبؒ اپنے تبلیغی سلسلہ میں سیالکوٹ تشریف لائے تو غریب خانہ پر حاضر ہوئے اور مجھے اصرار کیا کہ میں ضرور ''یومِ معاویہؓ'' پر ملتان حاضر ہوں۔ سید عطاء المنعم بخاریؒ سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد تو پھر جب بھی وہ گوجرانوالہ یا سیالکوٹ تشریف لاتے، قریباً سارا دن میرے ہاں ہی گزارتے۔ کچھ اپنی کہتے کچھ میری سنتے۔ میری ہمت افزائی فرماتے مجھ کو صحابہ کرامؓ کے بارہ میں مزید لکھنے کی تاکید فرماتے۔ ان کی وہ سب باتیں آج تک میرے کوزۂ ذہن میں محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے کیونکہ ع

مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

میں حضرت شاہ صاحبؒ سے ملتان حاضر ہونے کا وعدہ تو کر بیٹھا، لیکن طبیعت جانے کے لیے آمادہ نہ ہوتی تھی کیونکہ میں اپنی بے بضاعتی کو بخوبی سمجھتا تھا، اور حضرت شاہ صاحبؒ کی صدارت میں تقریر کرنا بڑے حوصلہ کی بات تھی لیکن وہ حوصلہ مجھ میں نہیں تھا۔ وعدہ کو ایفا کرنا بھی ضروری تھا چنانچہ میں مقررہ تاریخ سے ایک روز قبل بذریعہ شاہین ایکسپریس ملتان پہنچا۔ شاہین ایکسپریس ویسے ہی رات کو ملتان پہنچتی تھی، لیکن اس روز حسب معمول دو تین گھنٹے لیٹ ہوگئی اور شاید رات کے دو بجے ملتان پہنچی۔ میرا خیال تھا کہ رات اتنی دیر مجھے ریلوے اسٹیشن پر لینے کے لیے کوئی نہیں آئے گا اور مجھے خود ہی تانگہ یا ٹیکسی کے ذریعہ کوٹ تغلق جانا ہوگا لیکن جونہی میں ریلوے اسٹیشن پر اترا، حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاریؒ کو اپنا منتظر پایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ بڑے تپاک سے ملے۔ میں نے معذرت کی کہ آپ کو میری وجہ سے اتنی رات تک تکلیف اٹھانا پڑی لیکن انہوں نے خندہ پیشانی سے فرمایا کہ یہ میرا فرض تھا۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ بہر حال وہ مجھے لے کر اپنے گھر آئے جو کوٹ تغلق میں واقع تھا۔ یہ حضرت سید عطاء المحسن بخاریؒ سے میری سب سے پہلی ملاقات تھی۔

دوسرے روز یوم معاویہؓ کا جلسہ تھا۔ احقر نے اس میں تقریر کی۔ میری تقریر کے دوران کچھ طالب علموں نے گڑ بڑ کی جن کو وہاں کے ایک شیخ الحدیث نے صرف اسی مقصد کے لیے بھیجا تھا۔ جونہی ان طالب علموں نے گڑ بڑ کی، اللہ کے یہ دو شیر سید عطاء المحسن بخاریؒ اور سید عطاء المؤمن بخاری ناموس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تحفظ کے لیے میدان میں کود پڑے اور چند لمحوں ہی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان دشمنوں کو میدان سے بھگا دیا اور پھر جلسہ نہایت سکون واطمینان سے ہوتا رہا۔ صبح میں ان شیخ الحدیث صاحب کے مدرسہ میں گیا اور ان سے افسوس کے ساتھ ان کے مدرسہ کے طالب علموں کی رات کی حرکت کا ذکر کیا تو انہوں نے جو جواب دیا، اس جواب نے ان کی شیخ الحدیثی کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا اور ان کی محبت صحابہ کا سارا بھرم جاتا رہا۔ اب وہ صاحب مرحوم ہو چکے ہیں اور سیدنا معاویہؓ کے بغض کا جواب وہ خود اپنے اللہ کو دیں گے، لہٰذا میں ان کا جواب یہاں نقل کرنے سے گریز کر رہا ہوں۔

جلسہ کے بعد بھی تین چار روز ملتان میں رہا۔ محسن شاہ صاحبؒ مجھے کئی جگہوں پر لے کر گئے، کئی دوستوں سے ملایا۔ ان کے حسن وسلوک اور بلند اخلاق نے مجھ پر کچھ ایسا جادو کیا کہ پھر اس ملاقات نے دوستی کا روپ دھار لیا اور روز وشب کے گزرنے کے ساتھ ساتھ دوستی کا یہ رشتہ روز بروز گاڑھا ہوتا گیا۔

پھر ۱۹۷۱ء میں بھی ایک دفعہ احقر حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ جمعیت علمائے اسلام کے سلسلے میں ملتان گئے۔ رات کو عیدگاہ میں جلسہ تھا۔ اس دفعہ بھی اسی شیخ الحدیث صاحب نے اپنے طالب علموں کو جلسہ خراب کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے خرابی کی کوشش بھی کی۔ کچھ خشت باری بھی ہوئی لیکن بخاری برادران نے ان کو مار بھگایا اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے نہایت اطمینان کے ساتھ لوگوں کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری نور اللہ مرقدہ سے میرے تعلقات استوار ہوتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئے۔ شاہ صاحبؒ جب بھی سیالکوٹ اپنے جماعتی کاموں کے لیے تشریف لاتے تو احقر کے غریب خانہ یا فیکٹری میں ضرور تشریف لاتے۔ مختلف مسائل پر گفتگو فرماتے۔ یادوں کی برات کے ہدیے بکھیرتے۔ بزرگوں کی باتیں سناتے جن سے انہیں انتہائی عشق تھا۔ ان لوگوں کے لتے لیتے جو اکابر سے تعلقات کا دعویٰ کرتے ہوئے ان کے مسلک سے اعراض برتتے۔ دوران گفتگو جب صحابہ کرام ﷺ کا تذکرہ ہوتا تو حضرت شاہ صاحب کی آنکھیں نمناک ہو جاتیں۔ آپ کے جسم کے روئیں روئیں سے صحابہ کرام ﷺ کی محبت کے چشمے ابلتے تھے۔ اپنے والد محترم حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کی طرح ''نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو'' کا مظاہر ہوتا۔

ایک دفعہ ایک سلسلۂ گفتگو میں مجھے فرمایا: ''حکیم صاحب! اس وقت دنیا میں دو قسم کی جماعتیں ہیں۔ ایک وہ جماعت جس میں کوئی نظم وضبط ہے اور دوسری وہ جو ہر قسم کے نظم وضبط سے عاری ہے۔ پہلی کا نام ''جماعت'' ہے اور دوسری کا نام ''بھیڑ''۔ ''بھیڑ'' بازاروں اور میلوں ٹھیلوں میں ملتی ہے کہ ہر شخص منہ اٹھائے چلا جا رہا ہے۔ اور ''جماعت'' مسجدوں میں دیکھی جا سکتی ہے جب ہزاروں انسانوں کی منظم و مرتب صفیں ایک مقصد، ایک حالت اور جہت اور ایک شخص (امام) کے پیچھے اکٹھی ہوتی ہیں۔ اس کی ایک آواز پر لبیک کہتی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اظہار کرتے ہوئے کبھی رکوع اور کبھی سجود میں چلی جاتی ہیں۔ ''بھیڑ'' افراد کی مرضی کے تحت چلتی ہے اور جماعت ایک امیر کی زیر نگرانی نظم وترتیب کے ساتھ اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ افراد کا وجود قرآن کے نزدیک کڑیوں کا ہے اور اجتماع کا وجود زنجیر کا حکم رکھتا ہے۔ ہر وجود ایک کڑی ہے۔ اس کا کام اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک وہ باقی کڑیوں کی خبر نہ لے۔ جب تک باقی کڑیاں مضبوط نہ ہوں گی، زنجیر مضبوط نہ ہو گی۔ اس لیے جماعتی زندگی ہی اصل زندگی ہے، فرد کی زندگی کی کتاب وسنت کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شخصی زندگی کے معاصی کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کر دیتے۔ افراد کی معصیت کا زہر آہستہ آہستہ کام کرتا ہے لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم ہلاکت کا ایک ایسا تخم ہے جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری قوم کو تھوڑے ہی عرصہ میں تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس لیے ہر شخص کو جماعتی زندگی گزارنی چاہیے اور دوسرے ان جماعتوں کا ساتھ دینا چاہیے جو کسی صاحب علم وعمل کی قیادت میں چل رہی ہوں۔ اگر یہ جماعتیں نظم وضبط نہیں تو پھر افراد کا یہ گروہ جماعت نہیں بلکہ ایک بھیڑ ہے۔ یہ نہ قوم ہے، نہ امت ہے اور نہ ہی کوئی ملت صرف کنکر ہیں، مگر پہاڑ نہیں، اینٹیں ہیں مگر دیوار نہیں کڑیاں ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے کر دی جا سکتی ہیں، مگر زنجیر نہیں جو بڑے بڑے جابروں اور ظالموں کو پابجولاں کر سکتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ جب بھی کبھی سیالکوٹ تشریف لاتے تو مجھ سے گھنٹوں اس قسم کی باتیں کرتے۔ جب وہ اس قسم کی باتیں کرتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ ان کے دل میں ایک آگ ہے جس کے شعلے باہر نکلنا چاہتے ہیں، ایک آتش فشاں ہے جو پھٹنا چاہتا ہے۔ ان کے دل میں ایک درد تھا، ایک سوز تھا جس کا وہ ہر وقت دوسروں سے اظہار کرتے رہتے۔

محسن شاہ صاحب کی زندگی جس نہج پر استوار تھی اس میں مذہب وادب کا رومانی امتزاج تھا۔ ان کی مذہبی زندگی ایک کھلی کتاب تھی، جس کا ہر باب محبتِ صحابہ کرام ﷺ سے شروع ہوتا۔ وہ اسی محبت کے سہارے جیتے تھے اور اسی پر انہوں نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ وہ گرد وپیش سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہ ﷺ کے بارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ایک شخص نے کہا کہ ہمارے اکابر میں سے فلاں نے اس کے خلاف لکھا ہے۔ اس کا فوری جواب شاہ صاحبؒ نے یہ دیا کہ جس کی بات میں کر رہا ہوں وہ ان اکابر کے بھی اکابر تھے۔ مختصر یہ کہ جب کسی مجلس میں بیٹھتے، لوگ ان کے انوارِ سخن سے جھولیاں بھرتے اور بعض ان کی باتوں کی یادداشتوں کو اپنے کوزۂ ذہن میں محفوظ رکھتے۔

سید عطاء المحسن بخاریؒ کا تعلق دیوبند کے مکتبۂ فکر سے تھا۔ وہ فاضل دیوبند نہیں تھے لیکن ان کی ذہنیت میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی تعلیمات بھری ہوئی تھیں۔ بات بات میں ان بزرگوں کا حوالہ دیتے، لیکن عام قسم کے مولویوں کو وہ خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ کیونکہ ان کی آنکھوں نے جن علماء کو دیکھا تھا اور ان کے کانوں نے جن کی باتیں قرآن وسنت کی روشنی میں سنی تھی' ان کے مقابلہ میں عام مولویوں کی باتوں کو وہ کوئی اہمیت نہ دیتے۔

ان کے ابا مرحوم نے ساری زندگی سیاست میں گزاری، لیکن پاکستان بننے کے بعد شاہ جیؒ نے سیاست چھوڑ دی تھی' اور اپنی ساری زندگی ختم نبوت کے لیے وقف کر دی۔ آپ کی اولاد نے بھی پوری زندگی سرکار دو عالم ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کے لیے گزاری دی۔ ہر محاذ پر مرزائیت کا تعاقب کیا۔ انگریزوں کے خود کاشتہ پودا کو ہر موڑ پر بے نقاب کیا۔ ان کی تبلیغی طاقت کو ہر موقع پر زائل کیا اور بلا خوف وخطر مرزا غلام احمد کی ذریت کو آڑے ہاتھوں لیا۔ چنانچہ زندگی کے آخری سالوں میں ''نقیب ختم نبوت'' کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا' جس کا مقصد وحید انگریزوں کی اس معنوی اولاد کو ہر محاذ پر بے نقاب کر کے مسلمانوں کو ان کے اصل چہرہ سے روشناس کرانا ہے۔ اس مقصد کے لیے ایک دو مرتبہ انگلستان کا سفر بھی کیا اور وہاں بھی مرزا طاہر کی کھلم کھلا مخالفت کی اور مسلمانوں کو ان کے مہلک جراثیم سے بچانے کی پوری پوری کوشش کی۔ انگلستان کے دورے سے واپس آئے تو میں نے پوچھا: ''شاہ جی! انگلستان کیسا ہے؟'' فرمایا: ''لعنت پر پدر فرنگ و بر ذریت فرنگ''، بس اسی ایک جملہ میں فرنگیوں اور اس کی ذریت کی حقیقت کھول دی۔

کچھ مرزائیت کے بارے میں:

مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۸۸۰ء میں اپنے ملہم من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا (ریویو آف ریلیجز، بابت مئی ۱۹۰۶ء، نمبر ۵ جلد ۵ ص ۱۶۴)۔ اسی سال مرزا نے براہینِ احمدیہ لکھی۔ ۱۸۹۱ء میں اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ ۱۹۰۴ء میں مثیل کرشن ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور پھر ۱۹۰۸ء میں مرزا کا لاہور برانڈرتھ روڈ میں انتقال ہوگیا۔ اسی اثناء میں (۱۸۸۰ء سے ۱۹۰۸ء تک) مرزا نے بہت سی دولت اکٹھی کی جس کی مختصر تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

مرزا غلام احمد اگرچہ اپنے آپ کو اور اپنے والد مرزا غلام مرتضیٰ کو ''رئیس قادیان'' لکھتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مرزا غلام احمد کا باپ ایک نہایت مفلسانہ اور قلاشانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ باپ کی اس قدر قلاشی کی زندگی نے مرزا صاحب پر بڑا اثر کیا اور اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ ایک مالدار آدمی بنے گا۔ سیالکوٹ کی نوکری میں تو اسے صرف پندرہ روپے ماہوار (آٹھ آنے روزانہ) تنخواہ ملتی تھی۔ اتنی قلیل آمدنی میں تو اس کی معاشی زندگی درست نہیں ہوسکتی تھی۔ چنانچہ اس نے مختلف کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور مختلف مذاہب پر کچھ نوٹس (Notes) جمع کیے۔ اسی دوران اس نے ایک اشتہار دیا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اسلام کی حقانیت پر ایک کتاب لکھ رہا ہوں جس میں تین سو دلائل دیے جائیں گے۔ طباعت کے لیے میرے پاس کوئی رقم نہیں لہذا کتاب کی قیمت پیشگی روانہ کر دی جائے اور اس سلسلہ میں کچھ ویسے بھی مالی اعانت کی جائے کیونکہ کتاب پچاس جلدوں پر مشتمل ہوگی اور ایسی ضخیم کتاب کے مصارف ہزار ہا روپے ہو سکتے ہیں۔ (اشتہار مندرجہ براہین احمدیہ حصہ دوم)

لوگوں میں جوش پیدا کرنے کے لیے اشتہار میں یہ بھی لکھا گیا:

''واضح رہے کہ اب یہ کام صرف ان لوگوں کی ہمت سے انجام پذیر نہیں ہو سکتا کہ جو مجرد خریدار ہونے کی وجہ سے ایک عارضی جوش رکھتے ہیں بلکہ اس وقت کئی ایک ایسے عالی ہمتوں کی توجہات کی ضرورت ہے کہ جن کے دلوں میں ایمانی غیور کے باعث حقیقی جوش ہے اور جن کے بے بہا ایمان خرید و فروخت کے تنگ ظرف میں سما نہیں سکتا، بلکہ اپنے مالوں کے عوض میں بہشت جاوداں خریدنا چاہتے ہیں''۔ (اشتہار مندرجہ براہین احمدیہ حصہ سوم ابتداء)

ملکی حالات کچھ ایسے ہی تھے۔ لوگوں نے اپنی بساط سے بڑھ کر مرزا صاحب کی کتاب کا طباعت کے لیے مالی امداد کی۔ کئی لوگوں نے پانچ ہزار، کئی لوگوں نے پانچ سو تک رقم یک مشت دی چنانچہ کئی ہزار روپیہ اکٹھا ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ لاکھوں میں ہو، لیکن چونکہ مرزا صاحب نے کوئی حساب نہیں دیا، لہٰذا کچھ کہا نہیں سکتا۔ اس کتاب کے بارہ میں مرزا صاحب نے بعض علماء کو بھی علمی مدد حاصل کرنے کے لیے خطوط لکھے، اور مولوی چراغ علی وغیرہ نے اس بارہ میں کچھ علمی مواد بھی مرزا صاحب کو فراہم کیا۔ مرزا بشیر احمد ایم اے کے مطابق ''گو براہین احمدیہ کی تالیف اور اس کے متعلق مواد جمع کرنے کا کام پہلے سے ہو رہا تھا، مگر براہین احمدیہ کی اصل تصنیف اور اس کی اشاعت کی تجویز ۱۸۷۹ء سے شروع ہوئی اور آخری حصہ چہارم ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا۔ (سیرۃ المہدی حصہ اص ۸۶)۔ کتاب کا نام رکھا گیا ''ابراہین الاحمدیہ علیٰ حقیقۃ القرآن والنبوۃ المحمدیہ''، لیکن یہ کتاب عام طور پر اپنے مختصر نام ''براہینِ احمدیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

کتاب کی تالیف نے لوگوں کو ہر لحاظ سے مایوس کیا۔ کتاب کا اصل متن تو بہت کم تھا، لیکن حاشیہ اور حاشیہ در حاشیہ اس سے کئی گنا زیادہ۔ یہ چار حصے چھپ گئے، لیکن حصہ پنجم کے چھپنے میں تیئس سال تک التواء رہا۔ اس التو کی توجیہ بھی عجیب و غریب بیان کی گئی (ملاحظہ ہو دیباچہ براہینِ احمدیہ حصہ پنجم ص ۶) اعلان میں کہا گیا تھا کہ کتاب براہینِ احمدیہ پچاس حصوں پر مشتمل ہوگی، لیکن چار حصوں کے بعد مکمل خاموشی نے لوگوں کے دلوں میں کئی شکوک و شبہات کو جنم دیا' اور لوگوں نے قیمت واپس لینے کے خطوط لکھے کیونکہ رقم پچاس حصوں کی لی گئی تھی۔ آخر ۲۳ سال کے طویل عرصہ کے بعد مرزا صاحب نے اس کا پانچواں حصہ طبع کیا اور اسکے دیباچہ میں لکھا:

''پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا، مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے، اس لیے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا''۔ (دیباچہ براہینِ احمدیہ حصہ پنجم ص ۷)

براہینِ احمدیہ کی طباعت سے مرزا صاحب کو مالی طور پر بہت فائدہ ہوا۔ اس مالی فائدہ کے پیش نظر اب انہوں نے اپنی دوسری کتابوں کی خرید و فروخت کے لیے بھی اشتہار جاری کرنے شروع کر دیے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے اپنی کتاب ''ازالۂ اوہام'' کا بھی اشتہار دے دیا (ملاحظہ ہو اشتہار۔ مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ تبلیغ رسالت جلد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲ص ۳۴۷) اسی قسم کے اشتہار انہوں نے اپنی کتابوں ''فتح الاسلام'' اور ''توضیح مرام'' کے بھی دیے۔ گویا مرزا صاحب اب پورے کتب فروش ہو کر اور اپنی کتابوں کے اشتہار دے کر لوگوں سے روپیہ بٹورنے لگے۔

محکمہ انکم ٹیکس کا نوٹس اور مرزا صاحب کا غلط بیان حلفی:

۱۸۹۲ء میں محکمہ انکم ٹیکس کو پتا چلا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی آمدن انکم ٹیکس کے قابل ہوگئی ہے تو انہوں نے مرزا صاحب کو ایک نوٹس بھیجا۔ نوٹس پڑھ کر مرزا صاحب پریشان ہوگئے۔ انہوں نے مسٹر ڈیکسن ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کے ہاں عذرداری داخل کردی انہوں نے منشی تاج الدین تحصیل دار پرگنہ بٹالہ ضلع گورداسپور کو انکوائری کے لیے بھیجا۔ مرزا صاحب نے تحصیل دار مذکورہ کے سامنے ایک بیان حلفی داخل کیا جس میں اپنی جائداد اور مریدین کی تفصیل پیش کرنا پڑی اب اس مدعیٔ نبوت اور مال کے پجاری کے بیان حلفی کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔ تحصیل دار کی وہ رپورٹ اپنی کتاب میں بقلم خود نقل کی ہے:

(۱) اس فرقہ (فرقۂ مرزائیہ) میں حسب فہرست منسلکہ ہذا ۳۱۸ آدمی ہیں۔ (یہ رپورٹ ۱۸۹۸ء کی ہے جب کہ اس سے قبل مرزا صاحب اپنے ہاتھوں سے اپنی کتاب میں اپنے جان نثار و مریدین کی تعداد آٹھ ہزار سے زیادہ بتا چکے تھے۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۶، روحانی خزائن جلد ۱۱ ص ۳۱) اب دونوں میں ایک تعداد غلط ہے۔

(ضرورۃ الامام ص ۴۲۔۴۳)

(۲) بیان حلفی میں دوسری بات یہ لکھوائی کہ اس کو تعلقہ داری زمین و باغ کی آمدنی ہے۔ تعلقہ داری کی سالانہ آمدنی تخمیناً ۸۲/۱۰ ہے۔ زمین کی تخمیناً ۳۰۰ روپے سالانہ، باغ کی آمدنی ۲۰۰ روپے، ۴۰۰ روپے اور ۵۰۰ روپے کی آمدنی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کو کسی قسم کی اور آمدنی نہیں۔ مرزا غلام احمد نے یہ بھی بیان کیا کہ اس کو تخمیناً پانچ ہزار دو سو روپیہ مریدوں سے اس سال پہنچا ہے، ورنہ اوسط سالانہ آمدنی قریباً چار ہزار روپے ہوتی ہے اور وہ پانچ مدّوں میں خرچ ہوتی ہے (مہمان خانہ، مسافر، یتیم و بیوہ، مدرسہ، سالانہ و دیگر جلسہ جات، خط و کتابت مذہبی) اور اس کے ذاتی خرچ میں نہیں آتی۔ (ملاحظہ ہو ضرورۃ الامام ص ۴۵، روحانی خزائن جلد سوم ص ۵۱۶)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ اس سے دو سال قبل یعنی ۱۸۹۶ء میں مرزا صاحب لکھ چکے ہیں کہ مندرجہ بالا پانچ مدات میں سے صرف لنگر خانہ کا خرچہ چھے ہزار روپیہ سالانہ ہے۔ دیگر مدات اس کے علاوہ ہیں۔ یہ بھی لکھا کہ مباہلہ کے روز سے آج تک ۱۵ ہزار روپے کے قریب فتوح غیب کا روپیہ آیا جو اس سلسلہ کے ربانی مصارف میں خرچ ہوا، جس کو شک ہو وہ ڈاک خانہ کی کتابوں کو دیکھ لے اور دوسرے ثبوت ہم سے لے لے، اور رجوع خلائق کا اس قدر مجمع بڑھ گیا کہ بجائے اس کے کہ ہمارے لنگر میں ساٹھ، ستر روپے ماہوار کا خرچہ ہوتا، اب اوسط خرچہ کبھی پانسو اور کبھی چھ سو ماہوار تک ہوتا ہے۔

(ضمیمہ انجام آتھم، ص ۲۸۔ روحانی خزائن، جلد ۱۱، ص ۳۱۲)

اب دونوں آمدنیوں کا موازنہ کرلیں اور دیکھ لیں کہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے مرزا صاحب نے کتنا غلط اور جھوٹ پر مبنی بیان حلفی دیا۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب نے ٹیکس سے بچنے کے لیے ایک فراڈ اور کیا کہ ۲۷ جون ۱۸۹۸ء کو ایک رجسٹری کے ذریعہ اپنی تمام زمین اور اپنی دوسری بیوی نصرت جہاں کے پاس رہن (گروی) رکھ کر چار ہزار روپے کا زیور اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک ہزار نقد وصول پالیا، اور میعاد رہن تیس سال رکھی اور صاف لفظوں میں لکھا:

''مرزا صاحب کے اپنے بیان کے مطابق حال ہی میں اس نے اپنا باغ اپنی زوجہ کے پاس گروی رکھ کر اس سے چار ہزار روپے کا زیور اور ایک ہزار نقد وصول پایا ہے''۔ تو جس شخص کی عورت اس قدر روپیہ دے سکتی ہو اس کی نسبت گمان گزرتا ہے کہ وہ مالدار ہوگا''۔ (ضرورۃ الامام ص ۴۶، روحانی خزائن جلد ۱۳ ص ۵۱۷)

ملاحظہ فرمائیے کہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے مرزا صاحب نے جھوٹا بیان حلفی پیش کر کے اپنے آپ کو کس قدر قلیل آمدنی والا ثابت کیا۔ اور پھر اپنی پہلی زوجۂ مطلقہ (پھجے دی ماں) کے حق مہر سے بچنے کے لیے اپنی تمام جائداد زوجہ ثانیہ نصرت جہاں کے نام فرضی رہن رکھ دی، بیان حلفی میں یہ لکھ کر دیا کہ مریدوں کی آمدن اس کے ذاتی اخراجات میں صرف نہیں ہوتی۔ لیکن کثیر العیال والا ولاد ہونے کے ساتھ ساتھ رئیسانہ اور ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی گزارنا، کئی کئی ملازم، ملازمہ اور نوکر چاکر رکھنا، سلس البول (بار بار پیشاب آنا) اور دیگر بیماریوں میں دائمی طور پر مبتلا ہونا، یہ سب اخراجات اور مصارف کہاں سے پورے ہوتے تھے؟

مرزا غلام احمد نے مرزا بشیر الدین کی والدہ (یعنی اپنی دوسری بیوی) نصرت جہاں سے ۵۵ سال کی عمر میں شادی کی تھی۔ اس وقت نصرت جہاں کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ مرزا صاحب خود لکھتے ہیں کہ میں اس زمانہ میں بالکل نامرد تھا۔ چنانچہ کئی لوگوں نے ان کو اس شادی سے منع بھی کیا جن میں ایک مولوی محمد حسین بٹالوی بھی تھے، لیکن مرزا صاحب نے پھر بھی شادی کر لی اب انہیں مشک و عنبر سے تیار کردہ یاقوتیوں اور لبوب کی ضرورت تھی۔ چنانچہ وہ آئے روز لاہور سے مشک و عنبر جو کہ اس زمانہ میں بھی نہایت قیمتی مفردات شمار ہوتے تھے، منگواتے رہتے تھے۔ مرزا صاحب کے ایک مرید نے ایک چھوٹا سا رسالہ ''خطوط امام بنام غلام'' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ ان خطوط کو پڑھیئے جن سے پتا چلتا ہے کہ دو دو تولہ کستوری انہوں نے منگوائی ہے۔ مفرح عنبری جو کہ ایک گراں قیمت مرکب ہے، وہ بھی اکثر استعمال کرتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے لیے دو سو ساٹھ روپے کا خیمہ منگوایا کیونکہ وحی الٰہی (بقول ان کے) کی بنا پر رہائشی مکان خطرناک ہو گیا تھا۔ ان سب چیزوں کو ذہن میں رکھ کر ایک تو ان کے انکم ٹیکس والے بیان حلفی کو ملاحظہ فرمائیں' اور دوسرے یہ دیکھیں کہ سیالکوٹ کچہری میں ۱۵ روپے ماہوار پر چار سال کام کرنے والا مرزا غلام احمد اپنی تصنیف و تالیف اور نبوت اور مسیحیت کے کاروبار میں اب کس قدر مالدار اور امیر ہو گیا تھا۔ لوگوں کو سادگی کا سبق دیتا جب کہ خود اپنے گھر کے اندر عیش و عشرت اور ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی گزارتا۔ اسی پر خواجہ کمال الدین اکثر معترض رہتے تھے۔

مختصر یہ کہ نبوت کا یہ تدریجی دعویٰ مرزا صاحب نے صرف اور صرف دنیا کی دولت اکٹھی کرنے کے لیے کیا تھا، ورنہ وہ خود بھی سمجھتے تھے کہ نہ وہ مجدد ہیں، نہ محدث اور نہ مسیح و رسول۔ ان دعوؤں کے ذریعہ سے انہوں نے دولتِ دنیا اکٹھی کی، یہاں تک کہ آپ کے بعد آپ کے ایک لڑکے نے ۱۹۲۰ء میں ڈیڑھ لاکھ روپے کی جائداد برائے بیع نامہ مورخہ ۲۱ جون ۱۹۲۰ء رجسٹری شدہ ۵ جولائی ۱۹۲۰ء از مرزا اکرم بیگ ولد مرزا افضل بیگ و خاتون سردار بیگم بیوہ مرزا افضل بیگ ساکنان قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور سے خرید کی۔ خود مرزا صاحب نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی ص ۲۱۱ میں لکھا ہے کہ مجھے اب تک تین لاکھ کے قریب روپیہ آ چکا ہے اور سال ہا سال سے ڈیڑھ ہزار روپیہ ماہوار تک خرچ ہو جاتا ہے۔ یہ تین لاکھ آج کل کے تین کروڑ کے برابر ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کیونکہ جب مرزا صاحب کی تعلقہ داری کا سالانہ آمدنی صرف ۸۲ روپے ہوتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوراس کے وسیع وعریض مکان کا کرایہ دوروپے ماہوار ہے تواس سے اس تین لاکھ روپے کی آج کل کی قیمت کا اندازہ لگالیں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ حقیقۃ الوحی کے ص ۲۱۱ پرتو مرزا صاحب نے لکھ دیا کہ ''مجھے اب تک تین لاکھ کے قریب روپیہ آچکا ہے''۔لیکن چند صفحات آگے یعنی صفحہ ۲۴۲ پر لکھا کہ ''اس وقت سے آج تک دولاکھ سے بھی زائد روپیہ آیا ہے،اور اس قدر ہرایک طرف سے تحائف آئے ہیں کہ اگر وہ سب جمع کیے جاتے تو کئی کوٹھے ان سے بھر جاتے''۔اسی کتاب کے صفحہ ۲۴۰ پر لکھا کہ ''اب میرے سلسلہ کی تمام شاخوں سے قریباً تین ہزارروپے ماہواری آمدنی ہے''۔

کس کا یقین کیجئے اور کس کا یقین نہ کیجئے
لائے ہیں بزم یار سے دونوں خبر الگ الگ

غرضیکہ مرزاصاحب کا یہ ساراڈھونگ کسب مال کے لیے تھاوگرنہ مسیحت اور نبوت کا دعویٰ اس کے بارہ میں انہیں خود بھی پتا تھا کہ وہ اس میں سراسر جھوٹے ہیں۔پھر جو شخص صرف دنیا کی دولت کے لیے غلط اور جھوٹا بیان حلفی دیتا ہے،دین کے بارہ میں اس پر کیا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

نبوت کا دعویٰ تو انھوں نے صرف انگریزوں سے پیسہ بٹورنے کے لیے کیا تھا۔اسی وجہ سے مرزاصاحب نے خود لکھا ہے:

''ہمارا جان نثار خاندان سرکار دولت مدار کا خود کاشتہ پودا ہے۔ہم نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنا خون بہانے اور جان دینے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔'' (انگریزوں کی راہ میں خون بہانا ضروری اور اللہ کی راہ میں خون بہانا حرام۔ایں چہ بوالعجبی است۔ظفر)

مسیح موعود فرماتے ہیں:

''میں مہدی معہود ہوں اور برطانوی حکومت میری تلوار۔پھر ہم احمدیوں کو فتح بغداد سے کیوں خوشی نہ ہو۔عراق،عرب ہو یا شام،ہم ہرجگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں۔''

(اخبار الفضل۔جلد ۶،نمبر ۴۲۔مورخہ ۷ردسمبر ۱۹۱۸ء)

ایمان اور کفر کا معاملہ چونکہ نبوت کے اقرار وانکار پر مبنی ہوتا ہے۔لہٰذا جن لوگوں نے مرزا غلام احمد کی نبوت کا انکار کیا،ان کو کافر کہا گیا۔چنانچہ مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا محمود احمد نے لکھا:

''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیراحمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں،ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔'' (انوار خلافت۔ص ۹۰)

مرزا کے دوسرے بیٹے مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے:

''حضرت مسیح موعود نے غیراحمدیوں (یعنی مسلمانوں) کے ساتھ صرف وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریم نے عیسائیوں کے ساتھ رکھا۔غیراحمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں،ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔اب باقی کیا رہ گیا؟ جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں۔دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔دینی اور دنیوی۔دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا بھاری ذریعہ رشتہ وناطہ ہے۔سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار دیئے گئے۔اگر کہو کہ ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں کہ نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے۔اور اگر یہ کہو کہ غیر احمدیوں کو سلام کیوں کہا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کریم نے یہود تک کو سلام کا جواب دیا ہے۔'' (کلمۃ الفصل۔مندرجہ ریویو آف ریلیجنز۔ص ۶۹)

یہ تھی قادیانیت کی مختصر تاریخ۔قادیانیت کو مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ہی اس کو مذہب سے کوئی تعلق ہے۔ اس نے غیر ملکی شہنشاہیت کی خدمت گزاری کے لیے اور موجودہ سیاسی غلامی کے حق میں اس کو الہامی بنیاد فراہم کی۔علامہ اقبال نے سب سے پہلے اس کے خلاف قلم اٹھایا اور یہ بتایا:

''ختم نبوت ایک اجتماعی اور سیاسی لیکن مکمل اور ابدی تنظیم ہے جسے عرفاً اسلام کہتے ہیں۔محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی ایسے الہام کا امکان ہی نہیں جس سے انکار کفر کو مستلزم ہو۔جو شخص ایسے الہام کا دعویٰ کرتا ہے، وہ اسلام سے غداری کرتا ہے۔قادیانیوں کا اعتقاد ہے کہ تحریک احمدیت کا بانی (مرزا غلام احمد قادیانی) ایسے ہی الہام کا مدعی تھا۔اس لیے وہ تمام عالم اسلام کو کافر قرار دیتے ہیں۔'' ......''جب میں بانی احمدیت کی نفسیات کا مطالعہ اس کی دعویٰ نبوت کی روشنی میں کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیغمبر اسلام ﷺ کی تخلیقی قوت کو صرف ایک نبی یعنی تحریک احمدیت کے بانی کی پیدائش تک محدود کر کے پیغمبر اسلام ﷺ کے آخری نبی ہونے سے انکار کرتا ہے۔اس طرح یہ نیا پیغمبر چپکے سے اپنے روحانی مورث کی ختم المرسلینی پر متصرف ہو جاتا ہے۔''

''احمدیت اسلام کے ضوابط کو برقرار رکھتی ہے لیکن اس قوت ارادی کو فنا کر دیتی ہے جس کو اسلام مضبوط کرنا چاہتا ہے۔''

ان وجوہات کی بنا پر انہوں نے قادیانیوں کی مسلمانوں سے علیحدگی کا مطالبہ کیا۔علامہ اقبالؒ اس بارہ میں سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے قادیانیوں کے مسلمانوں سے الگ امت ہونے کا مطالبہ کیا۔ان کا کہنا تھا کہ اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کے حدود مقرر ہیں یعنی وحدت الوہیت پر ایمان۔انبیاء پر ایمان اور رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان۔دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلمان اور نامسلمان کے مابین وجۂ امتیاز ہے۔ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ وہ مسلمانوں سے الگ جماعت ہیں اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں۔علامہ اقبالؒ نے مزید لکھا کہ ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویے کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔بانی تحریک مرزا غلام احمد نے ملتِ اسلامیہ کو سڑے ہوئے دودھ اور اپنے پیروؤں کو تازہ دودھ سے تشبیہہ دی ہے۔اس کا بنیادی اصولوں سے انکار، اپنی جماعت کا نیا نام، جمہور مسلمین سے اجتناب، ان کی نمازوں سے قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملوں میں مقاطعہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دنیائے اسلام کافر ہے۔مسلمانوں سے ان کی علیحدگی پر دال ہے۔لہٰذا میری رائے میں حکومت کے لیے بہترین طریق کار یہ ہوگا کہ وہ قادیانیوں کو ایک الگ جماعت تسلیم کر لے۔یہ قادیانیوں کی پالیسی کے بھی عین مطابق ہوگا اور مسلمان ان سے ویسی ہی رواداری سے کام لیں گے جیسی وہ باقی مذاہب کے معاملے میں اختیار کرتے ہیں۔

جاری ہے

© rasailojaraid.com